تبسم کاشمیری بطور فطرت پسند شاعر ! ایک جائزہ

ڈاکٹر محمد افضال بٹ [1]، ڈاکٹر طاہر عباس طیب**

Abstract:

"Naturalism has been a major phenomenon in literature. It has been an important topic of literature. From the beginning. Whenever writers, poets, artists write on a topic, scenes cannot distance themselves from the effects of nature, and the poet or writer who creates literature in the face of naturalism, nature or realism. Those phenomena that accept the effects of nature are compassionate. Like other languages, the effects of naturalism are found in Urdu language literature. The nature of reflection is very beautifully illustrated in Urdu literature. In Urdu literature, the reflection of nature and the natural environment is very earnestly described. Dr. Tabbasam Kashmiri finds the beauty and romance of reality. They love nature, return to the past, explore new worlds full of passion and imagination, emotional well-being, deviation from artificial life. The tradition gives rise to cohesive protests and strong aesthetic values against rebellion exploitation and dictatorship. They have the power over painting with words. It feels as though the poet's innermost self helps to create a new world through poetry by nurturing his imagination. Have presented excellent illustrations by simplifying the His illustrations are rich in emotion and profound. Natural landscape photography is his favorite subject. They have tried to create the word with the light of silence by recognizing the beautiful objects of nature and this work can only be done by a human being whose nature is familiar."

Key Words: Naturalism, literature in the face of naturalism, Urdu literature. Dr. Tabbasam Kashmiri is Poet of Naturalism, Natural landscape photography.

فطرت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پیدائش، قدرتی طو ر پر پیدا کی ہوئی کائنات، آفرنیش اور قدرت کے ہیں۔ فطرت کے لیے انگریزی میں لفظ نیچرمستعمل ہے جس کے معانی ہیں فطرت، دنیا، قانون قدرت فطرت کا لفظ اپنے اصطلاحی معنوں میں بہت گہرے اور وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ فطرت سے مراد ہر وہ چیز جو اس دنیا میں خالق کائنات کی تخلیق ہو فطرت خوبصورتی ہے،دلکشی ہے، رعنائی ہے۔ یہ ایک لطیف جذبے کا نام ہے زمین وآسمان اور کائنات کی ہر چیز فطرت کے حُسن کی عکاسی کرتی ہے۔حسن فطرت کا قانون ہے اور انسان جس کی تخلیق ہی حُسن پر کی گئی ہے کائنات کی ہر شے میں حُسن کو تلاش کرتا ہے۔

فطرت خوشی، خوبصورتی، مسرت کی مظہر ہے۔ یہ کائنات کا حُسن ہی ہے کہ انسان فطرت کے ان حسین مناظر میں کھو کر اپنی پریشانیوں، آسودہ حالیوں کو فراموش کر دیتا ہے فطرت کا حُسن اس کی روح کو پُر سکون اور تروتازہ کر دیتا ہے۔سورج کی چمک، چاند کی چاندنی اور ٹھنڈک، بہتی ندیاں، سریلے چشمے، جھیلیں، کھکھلاتے پھول، اونچے پہاڑ، ہرے بھرے جنگلات، ٹھنڈی ہوائیں یہ سب فطرت کے حسین مناظر ہیں دریاؤں، سمندروں کی موجیں، پہاڑی ڈھلوانیں، جھیلیں، آبشاریں، میٹھے چشموں کا حسن انسان کو خدا کی قدرت کے مناظر میں گم کر دیتا ہے۔ نیچرل ازم (Naturalism)کے بارے میں شان الحق حقی نے کچھ اس طرح تعریف کی ہے۔

1-Naturalismفطری مناظر کردار وغیرہ ادب اور آرٹ میں حقیت پسندانہ اور تفصیل سے کرنے کا نظریہ یا عمل

---

[1]صدر شعبہ اُردو ، جی سی ویمن یونیورسٹی،سیالکوٹ

** استاد،شعبہ اردو،جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

فطرت نگاری،حقیقت پسندی۔2(الف)فلسفہ کائنات کی بات نظریہ مادیت جس میں مافوق الفطرت اور روحانیت شامل نہیں (ب)مادی فلسفے پر مبنی نظام اخلاق یا مذہب۔3جبلی عمل۔4رقایات سے روگردانی۔[1]

فطرت نگاری یا نیچریت یا نیچرل ازم صرف مظاہرِ فطرت کے بارے میں لکھنے کا نام نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ محض درختوں، پھولوں، جنگلوں، پہاڑوں، پرندوں، گلہریوں، چوپایوں وغیرہ کا ذکر فطرت نگاری نہیں۔ لفظ فطرت ہی کو دیکھیں۔ حفیظ صدیقی کی مرتب کردہ کتاب ''تنقیدی اصطلاحات''کے مطابق ادب اور فن کی دنیا میں لفظ فطرت چار مختلف مضمونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صحیفۂ فطرت یعنی خارجی کائنات، قوانینِ فطرت، ہر چیز کی مخصوص افتادِ طبع اور انسانی سرشت۔ ادب و فن میں یہ اصطلاح وسیع معانی کی حامل ہے۔ اشیا، انسان اور دیگر جاندار، مظاہرِ قدرت اور ان کی طبعی حالت، انسانی جبلت، سادہ پرستی اور یہاں تک کہ طبعی اخلاق اور مذہب بھی نیچرل ازم میں آتے ہیں۔ اس لحاظ سے فطرت نگار یا نیچری محض مظاہرِ فطرت کے بارے میں لکھنے والا یا ان کی منظر نگاری کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ فطرت میں عقیدہ رکھنے والا، فطرت پرست، طبعی تاریخ، علم طبیعات اور حیوانات کا ماہر بھی ہوتا ہے۔ دراصل فطرت نگاری حقیقت نگاری کا وہ انداز ہے جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں نمودار ہوا اور جسے فرانسیسی ادیبوں زولا اور موپساں نے اپنایا۔ ادبی مواد اور موضوعات میں آزادی اور فطری انسانی جذبات و احساسات کا اظہار اس ادبی اسکول یا مسلک کی اہم خصوصیات ہیں۔ اگر فلسفے کی رُو سے دیکھا جائے تو ادب میں جمالیات مظاہرِ فطرت ہی کی دین ہے اور جمالیاتی حسیات میں انہی مظاہر کا اظہار جھلکتا ہے۔ شاید ہی کوئی اعلیٰ درجہ کا ادب یا فن پارہ ہو جس میں مظاہرِ فطرت کے اثرات نہ ہوں۔ فیثا غورث، سقراط، ارسطو، ہیگل اور دیگر فلسفیوں کے نظریات کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ادبی جمالیات، تخلیقی قوت اور مظاہرِ فطرت کا باہمی تعلق کتنا گہرا ہے۔ ارسطو نے تو فطرت کو تخلیق کا سب سے بڑا استعارہ قرار دیا ہے۔ ہیگل نیچریت کے فلسفے کا بانی تھا۔

ادب میں فطرت پسندی ایک اہم رجحان رہا ہے۔جو شروع سے ہی ادب کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ ادیب، شاعر، فن کار جب بھی کسی موضوع پر لکھتے ہیں تو مناظر فطرت کے اثرات سے خود کو دور نہیں رکھ سکتے اور وہ شاعر یا ادیب جو فطرت پسندی، فطریت یا حقیقت پسندی کے مدارج میں ادب تخلیق کرتا ہے۔ جو مظاہر فطرت کے اثرات قبول کرتا ہو ان کا دلدادہ ہو اسے فطرت پسند کہا جاتا ہے۔

اس طرح ادیبوں اور شعراء نے اپنی فن پاروں میں فطرت پسندی کو بیان کیا ان کی تحریروں میں فطرت پسندی اپنے تمام پہلوؤں اور رنگوں کے ساتھ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔یورپ کی طرح فطرت پسندی/فطرت نگاری نے اُردو و ادب پر ہی بہت گہرے اثرات مرتب کیے اُردو شعراء اور فن کاروں نے فطرت کی عکاسی اپنی تحریروں میں بھرپور انداز سے کی ہے۔ اُردو شعراء اور ادیبوں پر اگرچہ انگریزی ادیبوں کا اثر نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے مگر انہوں نے فطرت پسندی کی سوچ کو پروان چڑھایا ہے۔

اردو ادب میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں کی تحریک نے اردو نظم میں فطرت نگاری پر بڑے اثرات مرتب کیے اور ادب میں فطرت نگاری ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ سرسید کے مخالفین طنزاً انہیں نیچری کہا کرتے تھے۔ اردو میں نیچرل شاعری کی اصطلاح مولانا آزاد اور مولانا حالی کے ذریعے متعارف ہوئی۔ جدید نظم کے تشکیلی دور میں عبدالحلیم شرر کی مثال دی جا سکتی ہے جو علی گڑھ تحریک کے رکن تھے۔ اُس دور اور فوراً بعد کے دیگر شعرا میں نظیر اکبر آبادی، الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی، علامہ اقبال، ظفر علی خان، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، احسان دانش وغیرہم شامل ہیں۔ میر انیس اور میر حسن کی مثنویاں بھی اس ذیل میں رکھی اور پرکھی جا سکتی ہیں۔ جب کہ اردو کے جدید تر ادب بطورِ خاص شاعری میں فطرت نگاری سے لبریز فن پارے با افراط موجود ہیں۔

دیگر زبانوں کی طرح اُردو زبان ادب میں بھی فطرت نگاری کے اثرات جابجا ملتے ہیں فطرت

کی عکاسی نظم و نثر کی تمام اصناف میں اردو ادب میں بہت خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ اُردو ادب میں فطرت اور فطری ماحول کی عکاسی نہایت دلکشی سے بیان کی گئی ہے۔ کہ پڑھنے والے پر سحر کا سماں طاری ہو جاتا ہے۔ ادیب اور شعراء نے اپنی تخلیقات میں فطری عناصر کی تصویر یں بہت خوبصورت انداز میں بیان کی ہیں جس سے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں وہ تصویریں نقش ہو جاتی ہیں۔

اُردو ادب میں شاعری ہو یا نثر شعراء اور ادیبوں نے ہر صنف میں قدرتی مناظر کی منظر کشی کو بہت دلکش، حسین اور اچھوتے اندازمیں بیان کیا ہے بہتی ندیوں، کھلکھلاتے پھولوں، میٹھے چشموں، پہاڑی سلسلوں، چاندی راتوں کی تصویر کشی نہایت خوبصورتی انداز سے کی ہے۔اُردو ادب کی ابتدا سے اگر جائزہ لیں تو داستان، مثنوی، قصیدہ، مرتبہ، نظم، غزل، گیت نگاری سب میں فطری عناصر کی عکاسی کی گئی ہے۔ اُردو ادب کی مشہور مثنویوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سحرالبیان، گلزار نسیم، کدم راؤ پدم راؤ ،آرائش محفل، دریائے عشق، خواب و خیال کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جن میں فطری عناصر کی منظر کشی نہایت بہترین انداز میں کی گئی ہے۔ جو دل و دماغ کو محور کرتی ہے۔ جس سے قاری پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اُردو ادب کی شعری اور نثری اصناف نے جدیدادبی رحجانات سے بھر پعر استفادہ کیا۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری اُرو ادب میں بطور نقاد، محقق، ناول نگار، شاعر اور استاد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔وہ 29 جنوری 1940 کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام محمد صالحین ہے۔ جب کہ قلمی نام تبسم کاشمیری ہے۔ان کے آباو اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے امر تسر میں آباد ہو گئے تھے اور ان کا خاندانی پیشہ تجارت تھا۔ ان کے آباو اجداد کا مذہب اور روحانیت کی طرف نہ صرف رحجان تھا بلکہ روحانی اقدار ان کے خاندان میں رچی بسی تھیں۔

تبسم کاشمیری کو بچپن ہی سے ہجرت کے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا۔ تعلیمی زندگی کے ابتدائی تین سال تحریک پاکستان کی نذر ہو گئے۔ آپ کے والدین ہجرت کرکے لاہور آ گئے۔ ان کے والد نے پاکستان آ کر جائیداد کی خرید و فروخت کو ذریعہ معاش بنایا۔ تبسم کاشمیری ایک حساس دل رکھتے ہیں کسی کو دُکھی دیکھ کر افسردہ ہو جانا اُن کی فطرت میں شامل ہے۔بچپن میں ہجرت کے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا اس کے نقوش اُن کی شخصیت میں نظر آتے ہیں۔ سات برس کے تھے جب والدین کے ساتھ امرتسر سے ہجرت کرکے لاہور والٹن کیمپ پہنچے۔ ہجرت اور ہجر کے مارے ہوئے لوگوں کے دلدوز مناظر نے ایک معصوم بچے کے ذہن کو خاصا متاثر کیا اور ایک نئی جگہ قدم رکھنا بذاتِ خود ایک تکلیف دہ مرحلہ تھا یہ سب باتیں اُن کے لاشعور کاحصہ بن گئیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے ہاں رومان اور حقیقت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ان کے ہاں فطرت سے محبت، ماضی کی طرف مراجعت، جذبہ و تخیل سے معمور تصوراتی نئی دنیا کی تلاش، جذباتی آسودگی، مصنوعی زندگی سے انحراف۔ روایت سے بغاوت جبر گھٹن استحصال اور آمریت کے خلاف بلند آہنگ احتجاج اور بھرپور جمالیاتی قدروں کی پاسداری ملتی ہے۔ انھیں لفظوں کے ذریعے مصوری پر قدرت حاصل ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کے باطن سے پھوٹنے والے سوتے اس کے تخیل کو مہمیز کرکے شاعری کے ذریعے ایک نیا جہان آباد کرنے میں مدد دیتے ہیں۔انھوں نے اپنے مشاہدات، ذاتی تجربات، اردگرد کے ماحول، کائنات کی رنگینیوں داخلی اور حسی کیفیات کو آسیز کرکے تمثال نگاری کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ ان کی تمثالیں بھرپور تاثر اور گہری معنویت کی حامل ہیں۔

اپنی شاعری کے اولین مجموعے ''تمثال'' میں تبسم کاشمیری سماجی و معاشرتی نا انصافی سماجی و معاشرتی ناانصافی، بے حسی اور عدم مساوات پر احتجاج کرتے ہیں۔ ان کا دِل خلقِ خدا کی بے بسی پر روتا ہے۔ شہروں کی تباہ حالی کو دیکھ کر ان کا دل جلتا ہے۔ ''تمثال'' میں شامل نظمیں اداسی اور غم سے بھرپور ہیں۔ یہ اخلاقی، روحانی قدروں کے زوال کے نوحے ہیں۔ شاعر کو محسوس ہوتا ہے کہ خزاں کا موسم ٹھہر گیا ہے۔ حبس اور گھٹن سے چہروں کو مسخ کر دیا ہے۔ خوابوں اور خواہشوں کی سنکست و ریخت جاری ہے۔ شاعر تلاشِ ذات کرتا ہے لیکن مایوس ہوتا ہے۔

چپ کی بارش، جنگل کی آوازیں، خون، سیاہی، لڑھکتے پتھر
ادھڑتے رستے، پیلے پھول اور بنجر شاخیں
خوف کی خوشبو، سرخ آوازیں، کالا رستہ، ساکت لمحے
سوکھے جذبے رنگ نہ روپ
کچھ بھی نہیں ہے، میں ہی ہوں (۲)

تبسم کاشمیری کی طویل نظم ''نوحے تحت لہو ''کے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں وہ جذباتی رنگ اختیار کرنے کی بجائے شہر کی صورتِ حال کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ بقول تبسم کاشمیری کے یہ ضیاء الحق کی آمریت کا دور ہے جو جبر گھٹن اور خوف سے معمور ہے۔ یہ نظم شہر لاہور کی بے بس، بے سہارا، تنہا اور اداس زندگی کی کہانی پر مشتمل ہے۔

تخت لہور کی آنکھ سے شب بھر
آنسو ٹپ ٹپ گرتے ہیں
رات کا اب پچھلا پہر ہے
تخت لہور کی آنکھ کھلی ہے(۳)

''کاسنی بارش میں دھوپ'' ان کا تیسرا شعری مجموعہ ہے۔ جسے نگارشات پبلشرز لاہور نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے میں ۵۸ نظمیں ہیں۔ جنھیں تبسم کاشمیری نے اپنے قیام جاپان کے ابتدائی دس برسوں کے دوران لکھا۔ اس کا انتساب موسٹی اوساکا کے ایک چھوٹے سے گھر کے نام کیا گیا ہے، جہاں یہ نظمیں لکھی گئیں۔

جاپان چڑھتے سورج کی سر زمین ہے یہاں کے مناظرِ فطرت نے تبسم کاشمیری کو اپنی طرف کھینچا۔ اس شعری مجموعے تک آتے آتے تبسم کاشمیری کی شاعری کا انداز یکسر بدل گیا۔ زمانے کی چیرہ دستیوں پر صدائے احتجاج بلند کرتے، جبر و تشدد زیادتی کے خلاف بلند بانگ لہجہ اختیار کرنے والے تبسم کاشمیری یہاں نہ صرف انسان دوست شاعر نظر آتے ہیں بلکہ فطر ت سے محبت کرنے والے شاعر نظر آتے ہیں۔ اپنے اس اندازِ فکر میں پیدا ہونے والی تبدیلی کے بارے میں وہ اپنے ہی ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

"زمین و آسمان بدلتے سے انسان شب و روز ایک نیامنظر نامہ دیکھتا ہے یہ منظر نامہ بھی اس کی حیثیت پر اثر انداز ہوتا ہے اور شاعری کا نیا مزاج بھی وجود میں آ سکتا ہے۔ جاپانی سر زمین کے اثرات سے میری شاعری کا منظر نامہ بھی تبدیل ہوا ہے۔'' (۴)

انٹرویو روزنامہ جنگ لاہور 7 اگست1996ء جاپان میں 25 سالہ قیام کے دوران ان کے ذہنی اُفق پر پیدا ہونے والی وسعت کے بارے میں انیس ناگی لکھتے ہیں۔

تبسم کاشمیری کی شاعری کا دوسر احصہ ان کے جاپان میں طویل قیام کا براہِ راست نتیجہ ہے جس کی بدولت اِن کے ذہنی اُفق میں کشادگی آئی ہے۔(۵)

تبسم کاشمیری فطرت سے ہم کلام ہوتے ہیں نیا موسم اِن کے دروازے پر دستک دینے آتا ہے ہوائیں اِن کے کانوں میں سرگوشیاں کرتی ہیں۔ وہ سمندری ہوا کے لیے نغمہ لکھتے ہیں کھلی آنکھوں سے خواب دیکھتے ہیں خوشبوؤں اور بادلوں سے محوِ گفتگو دکھائی دیتے ہیں۔ ستارے چاند سورج ہوا پنچھی، خوشبو ان کے رفیق ہیں۔ تبسم کاشمیری رنگ و روشنی کے درمیان محوِ سفر ہیں تنہائی اور اُداسی اِن کے مزاج پر اثر انداز ہو نا بھی چاہتی ہے تو یادوں کے رہن بسیرے میں پناہ لیتے ہیں۔

تبسم کاشمیری نے نادر تشبیہات و استعارات، علامات و تلمیحات کی مدد سے اپنی نظموں میں خوبصورت رنگ بھرے ہیں۔''باز گشتوں کے پُل پر'' ان کا چوتھا شعری مجموعہ ہے۔ 151 صفحات پر مشتمل ہیں۔ مجموعے میں 58 نظمیں شامل ہیں جسے دستاویز مطبوعات لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں شامل نظمیں 1990ء تا 1993ء کے درمیانی عرصے میں لکھی گئیں۔ اس عرصے میں تبسم کاشمیری جاپان میں مقیم تھے۔ دل فریب نظارے اور تنہائی کے ساتھ یادیں تھیں ایسے میں وہ فطرت کو سہارا بنا کر حالِ دل کہتے رہے۔ وہ کہیں خوبصورت مہمان کے لیے نظم لکھتے ہیں اور کہیں لاہور کے برجوں کو یاد کرتے ہیں۔ وہ فطرت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے ہر احساس کو اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

''کاسنی بارش میں دھوپ''اور ''بازگشتوں کے پل پر''میں چند مشترک خصوصیات ہیں وہ

ان دیکھی دنیاؤں کے سفر کے خواہاں ہیں۔ خزاں کی زرد شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ امن کے متلاشی ہیں۔'' بازگشتوں کے پل پر''میں دیومالائی اور اساطیری رنگ بھی نظر آتا ہے۔ یہ دونوں مجموعے خاص طور پر اُردو کی مروجہ شعری روایت سے انحراف کا ثبوت ہیں۔ بقول انیس ناگی۔

''تبسم کاشمیری کی ملک سے دوری سے ان کی شاعری پر دو اثرات مرتب ہوئے ہیں پہلا یہ کہ انھیں آسانی سے نیا بین الاقوامی ادب پڑھنے کو میسر آیا جو پاکستان میں ممکن نہیں۔ اس سے ان کے ذہنی منظر نامے میں وسعت پیدا ہوئی اور مظاہرِ کائنات کو دیکھنے اور ان سے جذباتی وابستگی کا نیا انداز ان کی نظموں میں نمودار ہونے لگا ہے ان کی شاعری کی آب و ہوا یہاں کی مروجہ شاعری سے مختلف ہوتی جا رہی ہے۔''(۶)

تبسم کاشمیری نے اپنے موضوعات، لب و لہجہ اور طرزِ فکر کے لحاظ سے اپنے پیش رو شعرا سے مختلف رنگ اختیار کرتے ہوئے شعور ذات سے شعور کائنات تک کا اظہار منفرد پیرائے میں کیا ہے۔ انھوں نے اپنے اردگرد بکھرے ہوئے حسین رنگوں کے امتزاج سے کائنات کے حسن کو اپنے قلم میں سمیٹ کر شاعری کا حصہ بنا دیا ہے۔ ان کے ہاں فطرت کومرکزی اہمیت حاصل ہے۔ وہ فطرت کی گود میں چھپ کر تما م مسائل کویکسر فراموش کر دیتے ہیں اور یہ ان کی نظموں کی کامیابی ہے کہ قاری بھی فطرت کے ان نظاروں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اُن کے ساتھ سفر کرتاہے۔زمین پر ان کا سفر نا مختتم اور نا معلوم منزلوں کی جانب ہے لیکن وہ رنگوں، خوابوں، جگنوؤں اور ستاروں سے بھری دنیا ڈھونڈ لیتے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں اِ ن سر زمینوں کی طرف
جہاں ہوا نے شاید پہلی بار قدم رکھا ہے
اِن زمینوں کی طرف
جہاں دھوپ کا پہلا بیج پھوٹاہے
اور چاند اپنی پہلی روشنی کے
بادبانوں کے ساتھ اتراہے
جہاں خوش بو پھول اور رنگ نے
اپنا پہلا سانس شروع کیا ہے (۷)

ہوا، بارش دھوپ خوش بو بادل ستارہ پھول ان کے دوست ہیں۔ وہ ان سے باتیں کرتے ہیں اور اپنا راز داں بناتے ہیں۔

ستارہ مرے ساتھ چلے گا
پرندہ مجھے ایک گیت سنائے گا
خوشبو مجھے راستہ دکھائے گی
بادل مجھ سے باتیں کرے گا
اور بارش مجھے خواب دے گی(۸)

تبسم کاشمیری وطن سے محبت اُن کو اس سفر پر مجبور کرتی رہی بتاتے ہیں۔غیر ممالک کے زمین و آسمان مادی طور پر تو بہت مہربان ہوتے ہیں مگر روحانی طور پر بہت سرد مہر، انسان کو روحانی مسرت اس کی دھرتی پر ہی مل سکتی ہے۔'' (۹)

تبسم کاشمیری کے شعری مجموعے ''کاسنی بارش میں دھوپ'' میں شامل طویل نظم ''کچھ ان کہی باتیں'' میں ماضی پرستی کا رجحان نمایاں ہے۔ وہ اس رجحان کو اپنی طاقت گردانتے ہیں۔اس نظم میں لگتا ہے کہ شاعر نے حال کے اکیلے پن سے بچنے کے لیے ماضی میں پناہ لی ہے۔اس نظم میں اپنے پیاروں سے فراق کی کیفیت میں بھی تخیل کی سحر کاریوں سے منظر جاگ رہے ہیں۔

رات کے اس خاموشی کاسنی منظر میں
نیلا آسمان ہوا کی ڈھلوان پہ بہتا ہوا
شیشوں کے راستے میرے کمرے میں داخل ہوتا ہے
وہ اپنے ساتھ لے آتا ہے
بہت سے ستارے، بہت سے نایاب پھول اور بہت سے انمول رنگ (۱۰)

ان مصرعوں میں تخیل کی منسوں کاری عروج پر ہے۔ وہ تخیل جس کی بناء پر محمد حسین

آزاد انتشار پر داز کہلائے۔ تبسم کاشمیری آزاد نظم میں خوبصورت لہجے کے نقیب بن جاتے ہیں۔
''بازگشتوں کے پل پر'' کا اختتام جس طویل نظم پر ہوتا ہے اس کا عنوان ''میبلز پشکلاوتی اور موئن جوڈیرو'' ہے۔ ا س نظم میں تبسم کاشمیری نے تین مختلف تہذیبوں کا سفر کیا ہے۔ یہ نظم ماضی کی طرف مراجعت کی مثال ہے۔ جاپان میں خزاں کے موسم میں میبلز کا میلہ لگتا ہے اس میں شرکت کے دوران شاعر حال سے ماضی میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح یہ نظم اساطیری پس منظر کی حامل بن جاتی ہے۔اس نظم میں تاریخی حوالوں کے علاوہ وقت کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر شے وقت کے تسلسل میں بہہ رہی ہے اور یاد بھی ہر شے کوبہائے لے جا رہی ہے۔

یہ بہاؤ ہے روز و شب کا
ان دیکھی سمتوں کی طرف
موئن جوڈیرو سے پشکلاوتی تک
اور پشکلاوتی سے
میپلوں کی اس شام تک
پھر اس سے آگے اور آگے
اگلے زمانوں کی طرف
ان سے بھی اگلے زماں کی طرف(۱۱)

نظم کے اختتام پرپوری نظم کا نچوڑ بیان کر دیا ہے ماضی کی یاد کا عمل ان کے ہاں ایک تخلیقی طاقت بن کر ابھرا ہے۔ تبسم کاشمیری کی شاعری میں انسان اور فطرت ہم کلام نظر آتے ہیں۔ ان کے لہجے میں تیقن ہے اُمید کی روشنی ہے رجائیت ہے ان کے ہاں زندگی سے بھرپور نئے تازہ افکار و خیالات کی نمو کی خواہش ہے۔ شاعر کے باطن کانور اِسے روشنی عطا کرتا ہے اور وہ لفظوں کی طاقت سے ساری دنیا میں اُجالا کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے اوراس ارادے میں وہ قاری کو بھی اپنا رفیق بنا لیتے ہیں۔ ان کا مطالعہ خاصا وسیع ہے اور تخیل لا محدود ہے۔ انھیں اپنے دور و نزدیک پھیلے ہوئے مناظر کو قرینے سے دیکھتے اور بیان کرنے کا فن آتا ہے۔ نئی شاعری کی روایت میں ان کا شعری مجموعہ سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ولی کو جمال دوست شاعر کہا جاتا ہے لیکن میں تبسم کاشمیری کو صاحب جمال شاعر کہوں گی جتنی خوبصورتی اُن کی شخصیت اور فطرت میں موجود ہے دونوں کوہم آہنگ کرکے انھوں نے جدیدا ردو نظم کو خوبصورت، خوشبودار رنگین مناظر عطا کیے ہیں۔

ان کے اسلوب کی روانی جذبات کی فروانی اور تخیل کی کامرانی دیکھی ہو تو نظم ''اُس کے نام'' اِس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مجھے بھیج دینا کچھ کپڑے
جن میں بو باس ہو میری کپاس کی
مجھے بھیج دینا کچھ کتابیں
جن میں نظمیں ہوں میرے شاعروں کی
اور کچھ سبزیاں اور کچھ پھول
جن میں خوشبو ہو میری زمین کی
اور ہاں کچھ بادل اور کچھ سائے بھی
جن میں نمی ہو میرے آسمان کی
اور اگر ممکن ہو سکے تو بھیج دینا
کچھ حرارت سرما کی پیلی اور بسنتی دوپہروں کی
اور ہاں تم چاہو تو بھیج سکتی ہو
کچھ روشنیاں مشرق کے ستاروں کی
کچھ ٹوکریاں نرگس کے پھولوں کی
اور اب ایک چیز بھیجنا مت بھولنا
جانتی ہو کیا
کچھ لوریاں اپنے بچوں کی
اور کچھ خوشبوئیں اپنی بانہوں کی (۱۲)

اس نظم میں شاعر ان سب چیزوں کی خواہش کرتا ہے جو اُسے وطن سے دور وطن کی یاد دلاتی ہیں۔ انھوں نے جُدا ئی کی کسک بھی ہے فطرت سے پیار بھی اور وطن کی مٹی کی خواہش بھی ہے۔ یہاں شاعر کا جذبہ محبت عروج پر نظر آتا ہے۔ یہ اُن کی شاہکار نظموں میں سے ایک نظم ہے۔

جدید نظموں کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ اس لیے وہ مبہم ہیں یہ اعتراض غلط ہے دقت صرف اسلوب کی ہے تبسم کاشمیری نے نظم کو آزاد شعری تخیل کے ذریعے تخلیق کیا ہے اور چونکہ ہمارا مزاج منطقی قدروں کا ہے اور ہم روزمرہ کی سلجھائی ہوئی ہدایات کے عادی ہیں۔ اس لیے ہم اُن کی شعری تخیل کی ریخت پر لغت کو نہیں سمجھ سکتے۔ تبسم کاشمیری کی نظموں میں ابہام ضرور ہے لیکن پوری نظم پڑھنے پر ان کا نکتہ نظر واضح ہو جاتا ہے۔نہ ہونے کا احساس ہونے کے شدید احساس کا نتیجہ ہے۔

''میں اکثر سوچتا ہوں میں جو نہ ہوتا تو بہتر تھا۔''(۱۳)

تبسم کاشمیری کی ذات کا آئیکون عصرِ حاضر میں انسان کی مظلومیت کے لیے چھٹے فریسکوز سے بنتا ہے اور وہ ان کو معانی و مطالَب عطا کرتے ہیں

معنی اور مطالب کے سبھی اشجار، پھول اور پھل
ہمارے سر پہ اُگتے ہیں
سمندر کتنا ہے گہرا ہے نہیں معلوم ہم کو
ہم بس اِک بجرے کی صورت میں فقط لہروں پہ بہتے ہیں
کوئی حاجت نہ ہوگی پوچھنے کی پانی کتنا گہرا ہے
مگر جب سطح پہ تیرتا ٹھہرا ہے فن اپنا
تو پھر بحرِ معانی کی اَتھاہ معلوم کیا ہوگی (۱۴)

حقیقت کا یہ تصور انسان کو کائنات میں مرکزیت دے کر انسان کو اس کے موہوم مابعد سے نجات دلا کر زندگی کے جمعہ عوامل کی ذمہ داری اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ احساس ذمہ داری تبسم کاشمیری کی نظموں میں تصورِ اخلاق پیدا کرتا ہے اور وہ کسی قبل از وجود اخلاقی ضابطے کو قبول کرنے کی بجائے اپنے اردگرد میں موج زن زندگی اور نظاموں پر کانپتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہیں۔

وہ انسانی ظلم معاشرتی نا ہمواری اور انسانی منافقت کو انسان کا سب سے بڑا دشمن گردانتے ہوئے احتجاج کی صورت میں اپنے ردِ عمل کو متعین کرتے ہیں۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں
اور بند کر لیا
پیاسے پرندوں کو، خشک بادلوں، بے نور بستیوں کو
میں نے آگ دیکھی
ہوا کے لرزیدہ ہاتھوں میں
شہر کی برہنہ ہڈیوں میں
اور جسموں کی ٹوکریوں میں
میں نے چنگاریاں دیکھیں (۱۵)

ان کی نظموں میں خصوصی معاشرتی سیاق و سباق میں زندگی کو سر کرنے کا چال چلن ملتا ہے۔ یہ تبسم کاشمیری کی اخلاقی دیانت ہے کہ وہ معاشرتی ناانصافی میں شہید کا رتبہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی ذات اور ایسے عوامل پر پر اسی طرح تنقید کرتے ہیں جس طرح وہ دوسروں کا احتساب کرتے ہیں۔

مجموعی اعتبار سے تبسم کاشمیری کی نظموں میں عہد حاضر کی تمثال ایک آزردہ خاطر اور مغلوب انسان کے روپ میں نمایاں ہوتی ہے۔ جس کے اندر ایک زمانے کی کہانی پوشیدہ ہے۔ جو تبسم کاشمیری اور اس عہد میں بسنے والے ہر شخص کی کہانی ہے۔

ایک نظم تبسم کاشمیری ''سرخ خزاں کی نظمیں'' تیسرے شعری مجموعے میں ایک نظم بعنوان ''نظم نے کہا'' میں نظم کے موضوعات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہر جگہ سے نظم کے

موضوعات مل سکتے ہیں اور تبسم کاشمیری نے ایک سبز شاخ سے لے کر انسانی زندگی کی جہتوں تک کو موضوع سخن بنایا ہے۔

دھوپ بارش، گیت ہوا، بادل، شام، جھیل، پھول، تتلی، پرندے، موسم، شہر، ساحل، بستی، ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، سسی پنوں، مرزا صاحباں سے لے کر بربریت، منافقت، ریاکاری، ستم گری، ماں کا پیار، بچے کی اُداسی غرض کوئی موضوع اُن کی نظم کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔

اُن کی نظمیں تمثال اور منظر کشی کی خوبصورت مثال ہیں۔ وہ اس طرح سے منظر کشی کرتے ہین کہ سب جزئیات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ منظر نگاری کی خوبصورت مثال نظم ''ساحلوں پر ایک الوداعی منظر'' ہے۔

نیلگوں پر جوش بپھرے پانیوں پر
سسکتے جہازوں کی آخری سٹیاں بج رہی ہیں
جہازوں کی اس الوداعی صدا سے
پرندوں کے معصوم دِل کانپتے ہیں
اور اُن کے ننھے سے چھوٹے سے معصوم بچے
اپنے نو خیز تازہ پروں کو اٹھائے
تاڑ کے گھونسلوں سے نکل کر
جہازوں کی ان الوداعی صداؤں کی جانب
عجب درد سے اُڑ رہے ہیں
سسکتے جہازوں کی ان آخری سیٹیوں میں
میں نے روتے ہوئے اِن پرندوں کو
اور اِن کے معصوم بچوں کو دیکھا
کہ جیسے کوئی اِن کا اپنا رفیق آج
آخری بار اِن سے گلے مل رہا ہے
ہمیشہ ہمیشہ جُدا ہو رہا ہے (۱۶)

تبسم کاشمیری کی نظموں میں ہر طرح کے موسم کا ذکر بڑی شدت سے ملتا ہے اور بڑی کثرت سے ملتا ہے۔

نیا موسم بشارت ہے
کنول پانی میں کِھلتے ہیں
بہار آئے گی راہوں پر
شگوفے سرخ ہو جائیں گے (۱۷)

موسمِ گل ہو یا کہ خزاں ہو یا برکھا کا موسم
آنکھ میں پت جڑ آنکھ میں برکھا آنکھ میں پھول
آنکھ میں سارے موسم جاگتے رہتے ہیں (۱۸)

شاعر کے ذخیرۂ الفاظ کی داد دینی پڑتی ہے۔ ذخیرۂ الفاظ کے ساتھ ساتھ تفحص الفاظ بھی قابلِ داد ہے۔ اُن کی نظموں کا بڑا حصہ حسن و عشق کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ جس میں ہجر و وصال دونوں طرح کی کیفیات کا اظہار ہے۔ داخلی موضوعات زیادہ ہیں۔ رومانیت کی ہلکی ہلکی درد اور کسک اِن نظموں کا طرح امتیاز ہے۔ خاص طور پر ''پرندے پھول تالاب'' کی نظمیں اس طرح کے جذبات سے معمور ہیں۔ جنھیں تبسم کاشمیری نے Love poems کہا ہے۔ بعض جگہوں پر محبت کی جزئیات بھی ملتی ہیں اشاروں کتابوں اور علامتوں میں عشقیہ جذبات کا اظہار ہے اور کہیں یہ اظہار اشاروں کتابوں کا لباس اتار بھی دیتا ہے۔ اُن کی نظم ''وہ آیا تھا کل شب'' اس طرز اظہار کی مثال ہے۔

رنگوں کے ڈھیروں پر
رکھتے ہوئے نرم پاؤں
وہ آیا تھا کل شب؟
کوئی اُس کے سوئے ہوئے

قرمزی جسم پر
کوئی اُس کے بھیگے ہوئے
ہونٹ کی جھیل پر
آہستہ آہستہ
ہونٹوں کو رکھتے ہوئے
سو رہا تھا
وہ آیا تھا کل شب؟
یا اِک خواب ہے یہ
وہ لیتی ہے اب زرد پتوں پہ
اور سوچتی ہے
بہت دیر سے سوچتی ہے (۱۹)

تبسم کاشمیری کی نظموں میں زرد رنگ ایک خاص اداسی، ظلم، خزاں، بربریت کی علامت ہے۔ اس رنگ سے اُن کے اندر کی اداسی ظاہر ہوتی ہے تو کہیں یہی رنگ جب شہر کا شہر اوڑھ لیتا ہے تو یہ ظلم و بربریت اور تشدد کی نشانی ہے۔ جب درخت زرد رنگ اوڑھ لیتے ہیں تو خزاں چھا جاتی ہے۔ اس رنگ کو انھوں نے کئی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یہ اُن کی ایک خاص علامت ہے۔

زرد موسم، زرد لڑکی،زرد شہر، زرد پھول، زرد دھوپ، ہلکے زرد پرندے، زرد جسم، زرد گلاب، زرد چہرہ، زرد بال، زرد فصیل اس کے علاوہ وہ رنگوں سے جذبات کی عکاسی کا کام لیتے ہیں۔

وہ لڑکی اک سرخ خزاں ہے
سبز بہار ہے
کاسنی پھول ہے اک ساحل کے مندر کا (۲۰)

قدرتی مناظر کی عکاسی اُن کا پسندیدہ موضوع ہے۔ انھوں نے قدرت کی خوبصورت اشیاء کا ادراک کرکے سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کام وہی انسان کر سکتا ہے جس کا دِل فطرت شناس ہو۔دھند، اشجار، پرندے، پنچھی، ساحل، بانس، جنگل، گھاس، پھول، لیموں، آلوچہ، ریت، چاند، سورج، تالاب، پانی، شاخ، دریا، سمندر، جھیل، بادل یہ لفظ اس قدر کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ قاری پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو ان مناظر کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے تبسم کاشمیری کی شاعری میں دُکھ کی کسک ضرور ہے لیکن نا اُمیدی کا سبق نہیں دیتے۔ دعا اور اُمید کا دامن نہیں چھوڑتے۔

مثلاً نظم ''لہو کے پیالے سجائے رکھنا''
تم اپنے سر پر لہو کے پیالے سجائے رکھنا
تم اپنے جسموں کی یہ فصیلیں اٹھائے رکھنا
تمھارے جسموں پہ گِر بھی جائے کوئی جہنم
تم اپنے جسموں کی خوشبوؤں کے چمکتے شعلے جلائے رکھنا
دعا یہی ہے کہ آنکھوں میں چہکتے پنچھی چہکتے جائیں
سبز باغوں میں سرخ چڑیاں
جو اُڑ رہی ہیں وہ اُڑتی جائیں
چمن میں اشجار پھر ہرے ہوں (۲۱)

اُن کی شاعری میں خوشی کی ایک خاص لہر ہے جو اپنے ادراک اور وجودیت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ آج ارض و سماوات کی ساری پوشیدہ خبریں میں سننے لگا ہوں۔

میں خوش ہوں مجھے آگہی مل گئی ہے
بدن کے مساموں سے اب آگہی شعلہ بن کر چمکنے لگی ہے
عجب کشف کی روشنی ہے (۲۲)

اس آگہی، کشف اور آشنائی کی لذت میں وہ اپنے وجود کو انکار کی منزل تک لے آتے ہیں۔ تب وہ باقی تمام چیزوں کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ گویا تبسم کاشمیری انسان کی حقیقت

سے بھی آگاہ ہیں اور اخلاقیات کے فلسفے سے بھی آگاہ ہیں۔ ذاتیات کے انکار سے اجتماعیت حاصل کرتے ہیں۔ خودی سے بے خودی کے سفیر ہیں۔ وہ اس مشینی دور میں انسان کی دوہری شخصیت سے بھی آگاہ ہیں۔

مجھے لوگوں سے ملنا ہو
تو میں جیبوں میں نیلی مسکراہٹ ساتھ رکھتا ہو
رنگ لے آتا ہوں آنکھوں میں
خدا حافظ وہ جب مجھ کو سناتے ہیں
میں کالی نفرتیں ہونٹوں پہ سیتا ہوں
یہی دن بھر میرا معمول رہتا ہے
کبھی ہونٹوں پہ نیلی مسکراہٹ پہن لیتا ہوں
کبھی ہونٹوں پہ کالی نفرتوں کا جال بنتا ہوں (۲۳)

تبسم کاشمیری نے زندگی کے ۲۴ سال جاپان میں گزارے۔ انھیں جاپان کے موسموں، گلی کوچوں، پہاڑوں، جھیلوں پر موس پرندوں، پھولوں سے محبت ہے۔ جس کا اظہار وہ جا بجا اپنی شاعری میں کرتے ہیں۔

یوشنیو میں دور دور تک پھول کھلے میں چیری کے
یوشنیومیں دور دور تک پیڑ کھڑے ہیں چیری کے
نظم پھول کھلے ہیں چیری کے(۲۴)
اوساکا کے ایک نظم(۲۵)
ایک جاپانی گلی کا منظر(۲۶)
نومولود ہیرو شیما (۲۷)
اوساکا کی ایک بار کی یاد (۲۸)
ایک جاپانی لڑکی (۲۹)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے نثری نظم اور آزادنظم کی ہیت کو ترجیح دی ہے۔ اُن کی تمام نظمیں آزاد ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ان کی شاعری میں محبت کی تمام تر کیفیات اپنے عروج پر نظر آتی ہیں۔ ناقابلِ بیان بات کو بھی مناسب الفاظ کے لباس میں لپیٹ کر گوارا کر دیتے ہیں۔ ویرانی تباہی و بربادی لاہور کی ہو یا جاپان میں ہیرو شیماکی اُن کا دل اس پر کڑھتا ہے۔ انسان کا پستی میں حد سے گذرنا انھیں بے حد شاق گذرتا ہے۔ اس لیے وہ انسان کی عظمت کے گیت گاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا سفر بہت طویل ہے اس کی فکری طوالت نظموں کے مختلف موضوعات کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ انھوں نے یہ سفر کبھی انجان راستوں اور اجنبی راہوں پر کیا ہے اور کبھی تنہا ئیوں کے سفر پرروانہ ہوئے ہیں۔ یہ سفر ان کی شاعری کو زاویہ نظر اور بصیرت عطا کرتا ہے۔ اس سفر میں وہ نئی دنیائیں تخلیق کرتے ہیں۔ یہ سفر ذات کی تلاش میں نہیں بلکہ زمینی حقائق کی تلاش میں بھی جاری رہا۔ زندگی کے معاشرتی نظام کی عکاسی اور ان کے لیے احتجاج کی آواز میں سفر میں شامل ہے۔ وہ صرف لفظوں کاہتھیار لے کراس سفر پر نکل پڑتے ہیں۔

میرے پاس شمشیر تھی یا بیلچہ نہ کلہاڑا
میرے پاس بارود تھا نہ بندوقس
میرے پاس وردی تھی نہ بوٹ
میں صرف لفظوں کی کشتی لے کر
پانیوں میں اُتر گیا تھا
اور حرفوں کا آسمان اٹھا کے
گلیوں میں نکل پڑا تھا(۳۰)

تبسم کاشمیری کی نظموں میں انسانیت اور انسان دوستی کے بے شمار حوالے شامل ہیں۔ نظم ''مرے لیے ایک ایسا ہی دن کافی ہے'' میں لکھتے ہیں:

میں تو بس ایک دِن چاہتا ہو
انسانوں سے محبت کرنے

اور دھرتی پر امن پھیلانے کے لیے
ڈوبتے سورج اور چڑھتے چاند کو
چند لمحوں تک دیکھنے کے لیے
یاکچھ کتابیں پڑھنے کے لیے
تھوڑی سی شکر قندی کی شراب پینے
اور کچھ دیر سکون سے سونے کے لیے
میں ایک ایسا ہی دن چاہتا ہوں
میرے لیے بس ایک ایسا ہی دن کافی ہے (۳۱)

تبسم کاشمیری نے فطرت کے ذائقوں کو بہت پسند کیا ہے اور ان کو اپنے لیے سکون کا باعث بنایا ہے مثلاً وہ اکثر جگہوں پر دار چینی کی شراب، ادرک کی شراب، لیموں کی شراب، شکر قندی کی شراب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے قدرتی ذائقے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اصل میں وہ بتانا چاہتے ہیں کہ فطرت کی ہر چیز اپنے اندر سکون اور شراب جیسا نشہ رکھتی ہے۔

رومانوی موضوعات میں تنہائی، اُداسی اور یاد کے ساتھ ساتھ وصل کی خوشی بھی ہے۔ جدائی اور ملن کی کیفیات بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تنہائی کا سناٹا صاف سنائی دیتا ہے اور خوشی میں پھولوں کی مہک بھی محسوس ہوتی ہے۔ وہ منظر کی جلتی ہوئی آگ کو شگوفوں کی تازگی سے سرد کر دیتے ہیں۔

نیا موسم بشارت ہے
کنول پانی میں کھلتے ہیں
بہار آئے گی راہوں میں
شگوفے سرخ ہو جائیں گے (۳۲)

تبسم کاشمیری نے اپنے دور کے حالات کی عکاسی اور منظر کشی مکمل جزئیات کے ساتھ کی ہے۔ وہ نظام، منافقت اور فرسودہ روایات سے انکار کرتے ہوئے انکار کی سرحد تک پہنچ جاتے ہیں۔ دراصل یہ انکار کی نہیں حقیقی اثبات و یقین کی سرحد ہے جہاں آ کر انھوں نے آگہی حاصل کر لی ہے۔

دراصل یہ نظم انمول انسانی فطرت کا اظہار ہے۔ ہر چند اپنی اصل سے ہی مطابقت رکھتی ہے اور اسی سے وہ پہچان حاصل کر سکتی ہے۔ کسی بھی چیز کا خلاف فطرت استعمال سعیٔ لا حاصل ہے۔ اسی طرح کچھ جذبات و احساسات اور حقائق کا ترجمہ یا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

تبسم کاشمیری جب صوفیاء کا ذکر کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلم کے ساتھ اُن کی روح و جد میں آ گئی ہو اور تصوف و معرفت اُن کے رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی ہو۔ کچھ ایسی ہی کیفیت قاری پر بھی طاری ہو جاتی ہے اور وہ الفاظ کی تھاپ پر مست ہو جاتا ہے۔ یہ تبسم کاشمیری کے الفاظ کی تاثیر سے جو معرفت کے جذبے سے معمور ہیں۔ مثال کے طور پر ''نوحے تخت لہور کے'' میں لکھتے ہیں:

الف اللہ چنبھے دی بوٹی
ہم نے شہر میں بوئی تھی
الف اللہ چنبھے دی بوٹی
شہر میں مشک مچاتی تھی
شہر کے اونچوں میناروں تک
بوٹی خوشبو لاتی تھی
شہر کا شہر چنبھے کی بوٹی
شہر کا شہر تھا مشک میں ڈوبا
سارے شہر میں پھیلی بوٹی
سارے شہر میں پھیلی خوشبو
پھیلی خوشبو چنبھے والی
پھیلی خوشبو مرشد والی
پھیلی خوشبو مولیٰ والی

پھیلی خوشبو باہو والی
پھیلی خوشبو ہو ہو والی
سارا دِل چنبھے کی بوٹی
ساری روح چنبھے کی بوٹی
مشک مچاتی
مشک مچاتی
شہر کے اندر مشک مچاتی
شہر کے باہر مشک مچاتی
اندر ہو ہو
باہر ہو ہو
دم دم ہو ہو
مولیٰ ہو ہو
مرشد ہو ہو
باہو ہو ہو
ہو ہوہو (۳۳)

تبسم کاشمیری نظم کو ایک جسم قرا ر دیتے ہوئے اس کے مختلف اعضاء کا ذکر کرتے ہیں اور نظم جو محسوس کرتی ہے۔ اُسے بھی زبان عطا کرتے ہیں۔

نظم بکھر گئی ہے کئی ٹکڑوں میں
اور میں اسے جوڑ رہا ہوں
صبح سے شام اور شام سے صبح تک
میں تھک گیا ہوں جوڑتے جوڑتے اِن ٹکڑوں کو
نظم ہے کہ جڑتی ہی نہیں
بکھرے پڑے ہیں نظم کے ٹکڑے
کھانے کی میز پر
جہاں کافی کی پیالی الٹ جانے سے
نظم کا جسم جل گیا ہے
نظم چپکے چپکے سی سی کرتی ہے
میں ایک کپڑے سے خشک کرتا ہوں
نظم کے ٹکڑوں کو
اور نظم میری طرف
متشکر نگاہوں سے دیکھتی ہے
اور آہستہ آہستہ مسکراتی ہے (۳۴)

اس نظم میں تبسم کاشمیری نظم نہ جڑنے کے گہرے فلسفیانہ احساس سے تھک جاتے ہیں۔ نظم خود بھی تھک جاتی ہے اور یہ تھکن جس میں دُکھ بھی شامل ہے۔ تبسم کاشمیری کے الفاظ سے عیاں ہے:

نظم کہتی ہے مجھے جوڑ و، مجھے جلد جوڑو
مگر سچ ہے کہ میں اب تھک گیا ہوں
جوڑتے جوڑتے نظم کے ان ٹکڑوں کو
اور شائد نظم خود بھی کافی تھک گئی ہے (۳۵)

نظم کے اتنے بوجھل اور تکلیف دہ موضوعات تبسم کاشمیری کو جذباتی طور پر تھکا دیتے ہیں اور وہ تنہائی اور مایوسی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ مایوسی چند لمحوں کی ہوتی ہے وہ پھر سے نظم کی اُدھیڑ بن میں لگ جاتے ہیں اور اسی طرح تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ہاں البتہ بعض نظموں میں تنہائی کا شدید احساس ہے۔

نہیں کوئی کمبل جسے اوڑھ لوں
نہیں کوئی خوش بو جسے سونگھ لوں

نہیں کوئی سایا جسے روک لوں
نہیں کوئی تارہ جسے تھام لوں
نہیں کوئی چہرہ جسے چوم لوں
نہیں کوئی سپنا جسے دیکھ لوں (۳۶)

تنہائی کے اِس احساس سے خواب جنم لیتے ہیں کئی یادیں جنم لیتی ہیں اور تبسم کاشمیری ان خوابوں اور یادوں کو قلم بند کرنے لگتے ہیں دراصل کسی بھی نظم میں کوئی بھی احساس کتنا بھی شدید کیوں نہ ہو۔ تبسم کاشمیری کے تخلیقی سفر کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈال سکا اُن کی تنہائی بھی انھیں کئی راہیں اور موضوعات سمجھا دیتی ہے اور وہ اُن راہوں پر گامزن ہو جاتے ہیں جہاں انھیں ہوا نئے موسم کی بشارت بھی دیتی ہے اور تمام منظر پھر سے تروتازہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہر منظر کو تازہ دم ہو کر خوش آمدید کہتے ہیں۔

اُردو نظم گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ عہد بہ عہد بہت سے شعراء سے تخلیق ہوتی رہی۔ اس میں بہت سی فنی اور فکری تبدیلیاں بھی رونما ہوتی رہیں۔ موضوعات اور ہیئت کے اعتبار سے بھی اس میں اتار چڑھاؤ آتے رہے۔ جہاں تک نامور شاعر تبسم کاشمیری کا تعلق ہے انھوں نے شاعری میں نثری نظم اور آزاد نظم کو اپنے خیالات کے اظہار کا آلہ بنایا ان کی نظمیں فنی حوالے سے مکمل ہیں۔ نثری و آزاد نظم ہونے کے باوجود ان نظموں میں تسلسل روانی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ ان میں تخلیقی بندیوں اور ذاتی و داخلی واردات و تجربات کا رنگ و آہنگ پایا جاتا ہے۔ تبسم کاشمیری کے فکری کینوس پر زندگی کے ہر پہلو کی نشان دہی ملتی ہے۔ ان کی نظموں میں جذبات آرزو اور نارسائی کے پہلو موجود ہیں۔ انسان کے جذباتی رشتوں اور ان سے محبت کے رنگ اُن کی نظموں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ تبسم کاشمیری کی نظموں میں لا حاصلی اور انسان کے وجودی معاملات کے حوالے سے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ اُن کی نظمیں اُن کے عہد کی عکاس ہیں۔پرندے پنچھی کو انھوں نے اپنی شاعری میں خاص علامت کے طور پر استعمال کیا ہے ''پرندے پھول تالاب'' کی کئی نظموں کا عنوان پرندوں سے متعلق ہے۔

مغربی تالاب کے پنچھی
پرندے کی چیخ
پرندہ آج تنہا ہے
ایک پرندہ تنہا ہے
خزاں کے پرندے
کاسنی پیڑوں پر اکیلی فاختہ
پرندے گیت گا (۳۷)

پرندے کے وجود سے وہ اپنے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اُداسی، خوشی، آزادی اور قید، تنہائی یہ مختلف جذبات ہیں جن کو وہ پرندوں کے پروں پر اڑا کر محسوس کراتے ہیں۔اُن کی شاعری میں سفر کا لفظ بھی علامت کے طورپر استعمال ہوا ہے۔ وہ سفر سے حوصلہ اور اُمید کشید کرتے ہیں۔ غرض ان کی شاعری میں علامتوں کا ایک جال سا پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ آنسو اُن کی شاعری میں زندگی کی تلخی کی علامت ہیں۔ زرد رنگ اداسی کی علامت ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں ان علامتوں کو استعمال کرکے مختصر الفاظ میں مفصل باتیں کہہ دی ہیں وہ کہتے ہیں۔

لفظوں کی سرحد سے نکلو
سارے لفظ ہیں ایک اشارہ
سارے لفظ ہیں اسم، علامت
یا پھر ہیں تمثالیں (۳۸)

تبسم کاشمیری لمبی اور مختصر بحروں کے استعمال میں مہارت رکھتے ہیں۔ اپنی شاعری میں لمبے اور مختصر مصرعوں کے تال میل سے انھوں نے ایک ترنم کی سی کیفیت پیدا کی ہے مثلاً مختصر مصرعے بحر اور ترنم کی مثال ملاحظہ ہو:

نظم نیلے پانی کشتیاں
نیلے پانی

کشتیاں
اُجلے بدن (۳۹)

انھوں نے ایک لفظ دو الفاظ اور تین الفاظ کی بحریں ایک ہی نظم میں استعمال کی ہیں۔بعض نظموں کی بحر بہت طویل ہے گویا وہ آزاد نظم میں مختصر، مختصر ترین اور طویل، طویل ترین بحروں کے استعمال پر قادر ہیں۔ اس سے اُن کی نظم کی روانی میں خلل نہیںآتا۔ روانی اور تسلسل برقرار رہتا ہے۔

اُن کی بعض نظموں کی بحریں اس قدر ترنم ہیں کہ آزاد نظم پر پابند نظم کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اس سے مصرعوں کی دروسیت اور ان کے حسن و خوبی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہم بھول گئے تھے جو موسم
وہ موسم پھر سے آئے ہیں
اب برف نہیں تالابوں پر
اب نیلے نیلے سائے ہیں (۴۰)

تبسم کاشمیری کی نظموں میں انسانی زندگی سے متعلق مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یا تو وہ ان مسائل کا حل بتاتے ہیں یا ان کے حل کے لیے دعا گو ہوتے ہیں زوال کا لفظ بھی اُن کی شاعری میں علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے مثلاً ایک نظم کا نام ہے۔

''زوال کی آخری چیخ'' (۴۱)

دوسری نظم ہے:

زوال کا بادل (۴۲)

وہ کسی ایسی روشنی کے طلب گار نظر آتے ہیں جو شہر کی ساری اداسی ختم کرکے اس کی رونق واپس لے آئے۔ لوگ خوشحال ہوں شہر ترقی کرے۔ اصل میں وہ فطرت کی ہر تخلیق سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کی ہر مخلوق کے لیے دعا کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کی نظموں کے موضوعات ایسے ہیں جو انھوں نے عام انسانی زندگی سے اخذ کہے ہیں۔ موسم پرندہ پھول خوشبو ہوا، تالاب گیت، سفر خواب یہ سب موضوعات فطرت سے کشید کردہ ہیں۔

اُداس آنکھیں، ساحلی آنکھیں، گہری جھیل جیسی آنکھیں اُن کی نظم کو موضوعات عطا کرتی ہیں۔

جو شخص ایک بچپن کے آم کے پیڑ سے دیارِ غیر میں اتنی جذباتی وابستگی رکھتا ہے۔ وطن کے لوگوں کے لیے اس کے جذبات کیا ہوں گے اور اپنے جذباتی لگاؤ کا اظہار وہ کس طرح اس نظم مشمولہ پرندے پھول تالاب ''اک یاد کی دستک چھوڑ آئے'' میں کرتے ہیں۔

ہم چھوڑ آئے
نیم اس گھر کے دروازے پر
اِک یاد کی دستک چھوڑ آئے
اک خوشبو بھی
اِک لمحہ بھی
اور اِک لمحے کے آنسو بھی
اِک سپنا بھی اِک خواہش بھی
اِک خواہش گذرے موسم کی
اِک بارش نیلے بادل کی
ہم چھوڑ آئے
اِس گھر کی بیلوں کے نیچے
سب خواب پرانے چھوڑ آئے (۴۳)

حوالہ جات

1- شان الحق حقی اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری،اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس،نمبر 38 سیکٹر 15 کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی طبع دہم 2014 ص 1068
2- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر نظم ''چُپ کی بارش'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز 1996ء، ص 107
3- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نوحے تخت لہور کے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص240
4- انٹرویو روزنامہ جنگ ۷۔ اگست ۱۹۹۶ء
5- انیس ناگی، معاصرات، لاہور، جمالیات ۱۹۹۷ء، ص 66
6- ایضا،ص22
7- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''اجنی سر زمین کی طرف '' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ، لاہور، نگارشات پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص 11
8- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ''جب میں چلوں گا گھر کی طرف ''مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ، لاہور، نگارشات پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص
9- انٹرویو روز نامہ جنگ 7۔ اگست 1996
10- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''کچھ ان کہی باتیں'' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ لاہور نگارشات پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء، ص 101
11- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''میپلز، پشکلاوتی، موئن جوڈیرو'' مشمولہ بازگشتوں کے پل پر، ص 150تا 151
12- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر 'اُس کا نام'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص 550 تا 551
13- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''فقط ہونے نہ ہونے سے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص43
14- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''سمندر کتنا گہرا ہے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص89تا90
15- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''شاعر'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص 53تا 54
16- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''ساحلوں پر ایک الوداعی منظر'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص60 تا 62
17- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''اگر موسم بدل جائے، مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص45
18- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''آنکھ کا جادو''مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص52
19- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''وہ آیا کل تھا کل شب ؟'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص320
20- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''ایک جاپانی لڑکی'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص306
21- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''لہو کے پیاسے سجائے رکھنا'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص134
22- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''انکار کی سرحد پر'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص70 تا71
23- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''عذاب میں ایک شہری'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص87تا 88
24- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''پھول کھلے ہیں چیری کے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص120

25- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''اوساکا کے لیے ایک نظم'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص493
26- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''ایک جاپانی گلی کا منظر'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص610
27- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نومور ہیرو شیما'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص547
28- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''اوساکا کی ایک بار کی یاد میں '' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص 339
29- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''ایک جاپانی لڑکی'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص 305
30- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''شاعری اُگاؤں گا'' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ لاہور نگارشات پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء، ص 17
31- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''میرے لیے ایک ایسا ہی دن کافی ہے'' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ لاہور نگارشات پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء، ص 67تا 68
32- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''اگر موسم بدل جائے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص45
33- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نوحے تخت لہور کے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص272
34- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نظم بکھر گئی ہے کئی ٹکڑوں میں'' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ، لاہور نگارشات ۱۹۹۰ء، ص71
35- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نظم بکھر گئی ہے کئی ٹکڑوں میں'' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ، لاہور نگارشات ۱۹۹۰ء، ص7
36- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''تنہائی'' مشمولہ کاسنی بارش میں دھوپ، لاہور نگارشات ۱۹۹۰ء، ص 64
37- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص 307،
38- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نوحے تخت لہور کے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص260
39- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''نیلے پانی کشتیاں '' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء،ص 127
40- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''وہ موسم پھر سے آئے ہیں'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء، ص 345
41- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''زوال کی آخری چیخ'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء،ص 80
42- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''زوال کا بادل'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۶ء،ص 77
43- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر ''اِک یاد کی دستک چھوڑ آئے'' مشمولہ پرندے پھول تالاب لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء، ص 259تا 260